اسلام کے قیام ودوام میں اجتہاد و مجتہدین کا کردار

THE ROLE OF IJTIHAD AND MUJTAHIDEEN IN ESTABLISHMENT AND CONTINUITY OF ISLAM

ڈاکٹر نعیم انور الازہری*، محمد حسنین**

Abstract:
Every nation had its own distinct society and unique civilization. In some places, Persian culture and legal governance prevailed; in others, the influence of Roman civilization and law was dominant, while elsewhere, the mingling of non-Arabs created an unusual struggle for existence. Each had its own new and diverse needs, and many emerging issues demanded solutions within the framework of Islamic civilization. Yet, all these challenges were gradually resolved through the power of ijtihad (independent juristic reasoning) and the continuous efforts of the jurists. Thus, Islam continued to thrive and endure in every era. Ijtihad is the process of aligning life with the demands of time and circumstance. This is precisely why it is no easy task. Throughout history, jurists and scholars of Islamic law have embraced this responsibility, not only resolving people's religious and legal dilemmas but also ensuring the sustained progress and permanence of Islam.

Keywords: Islam, Change, Continuity, Ijtihad, Mujtahideen

تمہید

اسلام کے قیام ودوام میں اجتہاد اور مجتہدین کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اجتہاد کے ذریعے ہی قرآن و سنت کی روشنی میں نئے زمانے کے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ مجتہدین نے ہر دور میں امت مسلمہ کی علمی رہنمائی کرتے ہوئے دین کو زندہ و پائندہ رکھا ہے۔ انہوں نے نہ صرف فقہی مسائل کو حل کیا بلکہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی چیلنجز کا بھی سامنا کیا۔ اجتہاد کے بغیر اسلام جامد ہو کر رہ جاتا اور زمانے کے تقاضوں پر پورا نہ اترتا۔ مجتہدین نے بدعات کے خلاف بھی علم بغاوت بلند کیا اور دین کو تحریف سے محفوظ رکھا۔ آج بھی جدید مسائل جیسے ٹیکنالوجی، میڈیکل ایشوز اور معاشی نظام کے شرعی حل کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اجتہاد اسلامی شریعت کو ہمیشہ تروتازہ رکھنے کا ایک لازمی ذریعہ ہے۔ اس لیے ہر دور میں مجتہدین کی تربیت اور اجتہاد کے دروازے کو کھلا رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ “[1]

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور
** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، منڈی بہاءالدین

(پس اے دیدۂ بینا والو! (اس سے) عبرت حاصل کرو۔)

یہ آیہ کریمہ اجتہاد کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کرتی ہے کہ مخصوص و محدود اصول و کلیات شرعیہ کے ذریعے اپنے اپنے زمانے کے حالات، واقعات اور مسائل کو جدید تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کے موافق بنایا جائے اور ہر زمانے کے نئے نئے تغیرات اور ضروریات اور مسائل حیات کا اسلامی حل دیا جائے یہی اجتہاد ہے۔ اس مقصد کے لیے اصول و کلیات اور شرعی نصوص و احکام میں بے پناہ عقلی تفکر و تدبر کیا جائے اور پھر ان نصوص کی روح اور مزاج سے کامل واقفیت و آگہی کے ساتھ ان کے دامن اطلاق کو وسیع سے وسیع کیا جائے تاکہ وہ نصوص ہر دور کے مسائل کا حل پیش کر سکیں۔ یہی جدید اور عصری کامل اجتہاد ہے۔

اس لیے قرآن حکیم اہل ایمان میں سے طبقہ اولی الابصار کو بطور خاص متوجہ کرتا ہے کہ وہ ہر زمانے اور حالات کی گردش پر اپنی آنکھوں کو جما کر رکھیں جوں جوں زمانہ گردش کرتا جائے اور حالات بدلتے چلے جائیں اور انسانی ضروریات نئے نئے پیرہن میں ملبوس ہو جائیں اور انسانی معاشرت تیزی سے بدلتی ہوئی حیات کی موافقت کرنے لگے تو یہ طبقہ اولی الابصار یہ اہل تفکر و تدبر، بھی حالات اور زمانے کی رعایت کرے اور اسلام کی تعلیمات کو اس طرح پیش کریں کہ یہ تعلیمات اپنے اصل سے ہر گز نہ ہٹیں اور زندگی کے جدید تقاضوں سے بھی پیچھے نہ رہیں۔ یہ انتہائی نازک اور بہت بڑی ذمہ داری کا کام طبقہ اولی الابصار اور اہل اجتہاد و مجتہدین کو سونپا گیا ہے۔

اب وہ مجتہدین یہ اجتہادی عمل کیسے اور کس طرح کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کی یہ آیت ہماری راہنمائی کرتی ہے:

"فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ "(۲)

(پس اے دیدۂ بینا والو! (اس سے) عبرت حاصل کرو۔)

ائمہ وفقہاء نے اس آیہ کریمہ میں لفظ اعتبار کا یہ معنی بیان کیا ہے:

"رد الشی الی نظیره ای الحکم علی الشیء بما هو ثابت لنظیره"(3)

(کسی شے کو اس کی نظر کی طرف پھیرنا اعتبار کہلاتا ہے۔)

یعنی جو حکم اس کی نظیر کا ہے وہی حکم اس شے کا قرار دینا ہی اعتبار ہے۔

اجتہاد کا مفہوم

اجتہاد کی تعریف یہی کی گئی ہے کہ رد الشی الی نظیرہ جس نئے مسئلے کا حکم کتاب و سنت اور اجماع سے صراحتاً نہ ملے پھر کتاب و سنت کے اصولوں میں غور و فکر کر کے اس نئے مسئلے کا حل قرآن و سنت اور اجماع سے تلاش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ گویا اجتہادی عمل میں ایک مجتہد اس نئے مسئلے اور پیش آمدہ مسئلے کی نظیر کتاب و سنت میں تلاش کرتا ہے اور پھر اس نئے مسئلے کو حکم شرعی کے لیے اس کی نظیر کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ یوں اس اجتہادی عمل کے ذریعے پہلے سے موجود حکم شرع کو اس نئے مسئلے تک

توسیع دی جاتی ہے اور اس نئے مسئلے پر اس حکم شرع کا اطلاق کرتے ہیں۔ ایک مجتہد رد النظیر الی النظیر کے ذریعے ایک اجتہادی اور استنباطی عمل سرانجام دیتا ہے۔ یہی عمل اجتہاد اس کو مجتہد بناتا ہے۔

عمل اجتہاد میں علت کی حیثیت

اجتہاد کا یہ عمل اصل سے فرع تک علت ذریعے پہنچتا ہے۔ علت وہ عارض ہے جس کے پائے جانے سے حکم پایا جاتا ہے۔ اگر وہ عارض نہ پایا جائے تو حکم بھی نہیں پایا جاتا۔ اس لیے علت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"ماشرع الحکم عند وجودہ ولابہ"[4]

(حکم کا تقرر و ثبوت اس کے پائے جانے سے ہو اور اس کے نہ ہونے سے حکم نہ پایا جائے۔)

اسی طرح علت جو حکم شرعی کو نئے مسئلے تک توسیع دیتی ہے اور نئے مسئلے کو منصوص بناتی ہے اور شریعت کے دائرے میں لاتی ہے اس علت کی ایک اور تعریف یہ بھی کی گئی ہے:

"ما یضاف الیہ وجوب الحکم ابتداءً"[5]

(جس کی طرف بغیر کسی واسطہ کے حکم کا تقرر منسوب کیا جائے اس کو علت کہتے ہیں۔)

ایک مجتہد جو حکم شرعی اخذ کرتا ہے اس کی بنیاد قرآن و سنت رسول ہوتی ہے۔ مجتہد غیر منصوص مسائل میں پہلے سے موجود حکم شریعت کو اپنی اجتہادی، استنباطی، استدلالی اور استخراجی قوت کے ذریعے دریافت کرتا ہے۔ تمام جدید مسائل وہ پہلے سے نصوص شرعیہ میں موجود، لپٹے ہوئے اور مخفی و پوشیدہ ہوتے ہیں، مجتہدین اپنے علمی کمال کے ذریعے ان مسائل کا حکم شرعی لوگوں پر منکشف کرتے ہیں۔[6]

اجتہاد کے بارے امر نبوی

اجتہاد تو نئی جگہ، نئے مقام اور نئے زمانے کے مسائل کا حل شریعت اسلامی کے مطابق دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو باری تعالیٰ نے خاتم النبیین کا لقب دیا ہے اور رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا ہے اور آپ کے دین کا تعارف قیامت تک کے لیے الیوم اکملت لکم دینکم کا کرایا ہے۔ اب اس دین کو ہر مقام و جگہ اور ہر زمانے کے لیے قابل عمل بنانے اور تمام مسائل حیات کا حل دینے کے لیے آپ نے اپنی امت کو اجتہاد کا طریقہ بھی قیامت تک سکھا دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو باقاعدہ اجتہاد کا طریقہ کار اور اس کی کامل تعلیم دی ہے اور اس کی بہت سی عملی مثالیں بھی قائم کی ہیں تاکہ قیامت تک امت کے اہل علم اس طریق سے مستفید ہوتے رہیں اور اس سنت رسول کو اختیار کر کے اپنے ایمان کو تقویت دیتے رہیں اور عملاً ہر حال میں اسلام کی تعلیمات پر سختی سے وابستہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو اب مدینہ منورہ اور یمن میں بُعد مکانی تھا۔ اس لیے بطور قاضی سارے

مسائل کے حل کے لیے روزانہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنا اس وقت کے حالات کے مطابق ناممکن تھا لیکن ایک قاضی کو پیش آمدہ مسئلے کا فوری حل دینا ہوتا ہے۔

اس لیے حضرت معاذ بن جبلؓ کے ذریعے بعد مکانی اور پھر بعد ازاں آپ کی ظاہری حیات کا زمانہ نہ پانے والوں کو نئے مسائل کے حل کے لیے طریق اجتہاد کی تعلیم یوں دی ہے۔ آپ ﷺ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو قاضی کے منصب پر فائز کر رہے تھے تو ان کا امتحان بھی اس منصب کے لیے لے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو مسائل جدیدہ کے حل کے لیے طریق اجتہاد بھی سکھا رہے تھے اور اس کی عملی تربیت بھی دے رہے تھے تو پوچھا ہر پیش آمدہ مسئلے کو کیسے حل کرو گے؟

"كيف تقضى اذا عرض لک قضا"(7)

(جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ و مقدمہ آئے گا تو کیسے فیصلہ کرو گے۔)

عرض کیا اللہ کی کتاب کے مطابق، پھر آپ ﷺ نے پوچھا اگر اس مسئلے کا حل بظاہر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے۔ عرض کیا پھر سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر تم سنت رسول میں بھی نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے تو اس پر حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا: اجتهد برائى ولا آلو پھر میں اپنے رائے سے اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کے ان جوابات پر بہت زیادہ خوش ہو کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الحمدلله الذى وفق رسول الله لما يرضى رسول الله "(8)

(سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔)

اجتہاد اہل علم کی ذمہ داری ہے

اجتہاد ہی قرآن و سنت کے بعد تیسرا ماخذ شریعت ہے۔ اجماع اجتماعی اجتہاد ہے جبکہ قیاس انفرادی اجتہاد ہے۔ قرآن و سنت کی عمومی تعلیمات سب اہل ایمان کے لیے ہیں مگر قرآن و سنت سے اخذ و استنباط اور ان کے احکام کا حل علم اور ادراک یہ اہل علم اور علماء کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے کل بنی نوع انسان کو اور اہل علم کو یوں مخاطب کیا ہے:

"وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ"(9)

(اور یہ مثالیں ہیں ہم انہیں لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں اہلِ علم کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔)

اور یہ امثال ہیں جن کو ہم تمام لوگوں کے لیے بیان کر رہے ہیں مگر انہیں نہیں سمجھ سکتے مگر عالم لوگ ہی قرآنی آیات کے معانی و مفاہیم اور ان کے مدلولات اور اطلاقات کا صحیح و کامل علم علماء فقہا اور مفسرین اور مجتہدین کو ہی میسر آتا ہے۔ یہ جس

قدر قرآن کو جانتے ہیں اسی قدر اپنے قول و فعل اور خلق و کردار کو بھی قرآن کے مطابق بناتے ہیں اور لوگوں کو وہ راستہ و طریق اور وہ امر و حکم شریعت بتاتے ہیں جو ان کو اللہ کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

"وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ"[10]

(اور پیروی کرو اس کی جو میری طرف رجوع لایا۔)

اس آیہ کریمہ میں عامۃ الناس کی راہ واتبع سبیل ہے اور اہل علم و مجتہدین کی راہ من اناب ہے اور یہ ان کا فریضہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان راہوں پر اپنی امت کے ہر دو طبقوں کو چلایا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جدید مسائل کے حل کے لیے قیاس و رائے کی تربیت دی ہے اور ان میں فقہی بصیرت کو پروان چڑھایا ہے اور متعدد مواقع پر خود رائے اور قیاس کے ذریعے اجتہاد کا طریقہ سمجھایا ہے اور اس کی ان کو عملی تربیت دی ہے۔

صحابہ کرام کو مسائل عبادات میں اجتہاد کی تربیت

رسول اللہ ﷺ نے مسائل عبادات میں اجتہاد کی تربیت اس طرح دی ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میری ہمشیرہ نے حج بیت اللہ کی نذر مانی تھی مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی وہ وفات پا گئی تو اب میں اس کی طرف سے حج کیسے ادا کروں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے قیاس و اجتہاد کی تعلیم اس کو یوں دی۔

"لوكان عليها دين اكنت قاضيه قال نعم فاقض دين الله فهو احق بالقضاء"[11]

(تیری بہن پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا بولا جی ہاں فرمایا اس کو ادا کر، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔)

اس ارشاد گرامی میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قرض کو انسان کے قرض پر قیاس کیا ہے اور یہ علت قرض دونوں میں موجود ہے۔ اس بنا پر جس طرح بندے کے قرض کی ادائیگی فرض ہے اور اسی طرح حج اللہ کے قرض کی ادائیگی بھی فرض ہے۔

اسی طرح ایک خثعمیہ نامی خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے باپ پر حج فرض ہے مگر وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ سواری پر بھی نہیں بیٹھ سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر اس پر فرض ہوتا تو تم وہ ادا کرتی اور کیا وہ اس کی طرف سے کافی ہو جاتا۔ اس نے کہا جی ہاں اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح اللہ کا قرض بھی ادا کرنا ضروری ہے۔[12]

معاشرتی معاملات میں اجتہاد کی تربیت

معاشرتی زندگی کے معاملات میں رسول اللہ ﷺ نے اجتہاد کی تربیت یوں کی کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے جو لوگ مالدار ہیں وہ صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں اور وہ قیامت کے روز ہم سے بازی لے جائیں گے۔ ہم اجر و ثواب میں اپنی مفلسی کے باعث ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بھی اپنی حسب استعداد صدقہ کرو تم اگر راستے سے کوئی ہڈی اور کوئی تکلیف دہ چیز ہٹاد وگے تو تمہارا یہ عمل بھی صدقہ شمار ہوگا اور تمہارا گناہ سے بچنا بھی صدقہ ہے اور تمہارا کسی کمزور کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔[13]

انسانی زندگی کے عام معاملات میں اجتہاد کی تربیت

انسانی زندگی کے عام معاملات میں اجتہاد کی تعلیم یوں دی ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت دوران سفر کسی ایک قبیلے کے پاس رکی، انہوں نے میں مہمان نوازی نہ کی۔ ادھر مسبب الاسباب رب نے ان کی مہمان نوازی کے لیے سبب بنادیا کہ اتفاقاً اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انھوں نے بہت علاج کی کوشش کی مگر ہر کوشش بے سود ثابت ہوئی، قبیلے کے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے پوچھو کہ ان میں سے کوئی سانپ کے کاٹنے کا علاج جانتا ہے۔ ان میں سے ایک صحابی نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن تم لوگوں نے ہماری مہمانداری نہیں کی ہے۔

اس لیے ہم بھی بلا اجرت اس کا علاج نہیں کریں گے چنانچہ بات چیت کے ذریعے بکریوں کے ایک مختصر ریوڑ پر کامیاب علاج کی صورت میں بات طے ہوگئی۔ وہ صحابی رسول اس سردار کی طرف گئے اور علاج بآیات القرآن سورہ فاتحہ کے دم سے کرنا شروع کیا، تھوڑی دیر کے بعد سانپ کا زہر اتر گیا، سردار صحت وفاقے سے ہوگیا اب طے شدہ معاملہ کے مطابق صحابہ کرامؓ کو بکریوں کا مختصر ریوڑ دیا گیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے اس وقت کہا اس کو آپس میں ابھی تقسیم کرلو۔ علاج ودم کرنے والے صحابی نے کہا ابھی ہم اس کو تقسیم نہیں کریں گے۔

حتی کہ رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لیں جب یہ قافلہ وجماعت مدینہ منورہ واپس پہنچی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کو کیسے معلوم ہوا کہ الحمد للہ پوری سورت میں مرض کی شفا ہے۔ انھوں نے عرض کیا باری تعالیٰ نے اس سارے قرآن کو شفا بنانا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے درست کیا ہے، اب تم اس مال کو باہم تقسیم کرو اور اس میں میرا بھی حصہ نکالو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[14]

اب اس واقعہ میں صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا انھوں نے اس مسئلے کو اپنی دانست اور تربیت رسالت کے باعث قرآن پر پیش کیا اور اس پیش آمدہ مسئلے کا حل متعلقہ لوگوں کو دیا اور مریض کا علاج کرکے اس کو مرض سے نجات دلائی پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس مسئلے کو پیش کیا اور آپ سے اس طریق کی حقانیت اور اس کی صوابیت پر مہر تصدیق ثبت کرائی۔

مسئلہ وراثت اور اجتہاد مصطفیٰ

اسی طرح اولاد کے نسب اور ذریت کی اصلیت اور وراثت کی حقیقت کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی تربیت دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ہاں کالے رنگ کا بچہ پیدا ہوا ہے جس پر مجھے تشویش ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا جی ہاں موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں کے رنگ کیسے کیسے ہیں۔ اس نے کہا وہ سبھی سرخ رنگ کے ہیں۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے سوال کیا، کیا ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی اونٹ ہے۔ اس نے کہا جی ہاں وہ بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اس سے پوچھا یہ خاکی رنگ کا اونٹ ان سرخ اونٹوں میں کہاں سے آگیا ہے۔ اس نے کہا ممکن ہے مادہ کے کسی رنگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو۔ اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح ممکن ہے کہ تیرے بیٹے کا کالا رنگ بھی کسی تخلیقی انسانی رگ نے کھینچ لیا ہو۔[15]

اب اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سرخ رنگ کے اونٹوں میں سے خاکی رنگ کے اونٹ پر بیٹے کے کالا رنگ کو قیاس کیا ہے کہ یہ رنگ کسی انسانی رگ کے باعث ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر اور کسی کے ہاں ماں باپ کے رنگ کے برعکس بیٹے بیٹی کی ولادت ممکن ہے۔ اس اجتہاد نے بہت بڑے نسب کے مسئلے کو حل کر دیا ہے۔ بصورت دیگر باپ ساری زندگی اپنے ہی بیٹے کے نسب کے معاملے میں متشکک رہتا۔ اسلام کا تصور اجتہاد انسانی زندگی کے ایسے ہی لاینحل مسائل کو ینحل بناتا ہے۔ جن کا حل بظاہر مشکل ہوتا ہے اجتہاد کا عمل ان مشکل اور نئے مسائل کو حل کرتا ہے۔

ردالنظیر الی النظیر کا قرآنی اصول

رسول اللہ ﷺ کا طریق اجتہاد و قیاس یہی تھا کہ آپ ردالنظیر الی نظیر پر عمل کیا کرتے تھے۔ ایک چیز کا حکم اس کی نظیر سے تلاش کر کے نئے مسئلے کا حل عطا فرما دیتے تھے، اجتہاد کا یہی وہ مسئلہ ہے جس کی طرف قرآن ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ تم باہم اگر کسی امر میں اختلاف میں پڑ جاؤ تو ایسے امر کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا کرو تاکہ اس امر مختلف فیہ کا حل تم کو قرآنی اور نبوی ہدایت کی روشنی میں میسر آجائے۔ اس لیے قرآن ضابطہ اجتہاد یوں دیتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"[16]

(پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔)

قرآن کا یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری میں تو نئے پیش آمدہ مسئلے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹایا جاسکتا تھا مگر اب اس پر کیسے عمل کیا جائے۔ اس بنا پر اب ساری امت متفق ہے کہ اس نئے

مسئلے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانا در حقیقت کتاب و سنت کی طرف لوٹانا ہے۔اب اس نئے پیش آمدہ مسئلے کی نظیر کتاب و سنت سے تلاش کی جائے گی اور اسی نظیر کی مماثلت تامہ کے مطابق اور موافق حکم شرعی کا اثبات ہو گا۔ مجتہد کا یہ عمل ردالنظیر الی النظیر ہے۔اور یہی ایک مجتہد کی ذمہ داری ہے اور اس کا یہ عمل علمی و فقی زبان میں اجتہاد و قیاس کہلاتا ہے۔

جس آیت اور سنت سے نئے مسئلے کو قیاس کیا جائے۔اسے اصل کہتے ہیں جو نیا مسئلہ ہے اس کو اصل پر قیاس کیا جاتا ہے۔اسے فرع کہتے ہیں۔اصل اور فرع کو جو چیز جمع کرتی ہے وہ ان کے درمیان مشترک علت ہوتی ہے جو قیاس اور اجتہاد کی بنیاد بنتی ہے۔[17]

اجتہاد میں مصیب کے لیے دوہرا اجر

رسول اللہ ﷺ نے روزمرہ کے معاملات اور تنازعات اور انسانی زندگی کے تمام تر مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کے طریق کو اپنانے کی صحابہ کرامؓ اور ان کے ذریعے اپنی امت کے تمام علماء کو خوب ترغیب دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر وبن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا ہوا، وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا۔اے عمرو تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: کیا آپ کی موجودگی میں آپ ﷺ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ فیصلہ کریں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ تم فیصلہ کرو،اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس فیصلے پر مجھے کیا اجر ملے گا۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے درست و صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم سے فیصلہ اور اجتہاد میں کوئی خطا ہو گئی تو تمہیں ایک نیکی ملے گی۔[18]

دور مصطفوی میں صحابہ کرام کی اجتہادی فکر و نظر کا عملی مظاہرہ

رسول اللہ ﷺ نے باہمی معاملات کی پاسداری اور ان پر عملدرآمد کے حوالے سے بھی صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی تربیت دی ہے اور صحابہ کرامؓ کے اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔6 ہجری کو جب کفار اور اہل ایمان کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہو گیا تو اس کے بعد ابو بصیر مشرکین کے چنگل سے بھاگ کر مکہ سے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے جب کفار کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق قریش کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجے انہوں نے آکر مطالبہ کیا کہ شرائط صلح کے مطابق حضرت ابو بصیرؓ کو مکہ واپس بھیجا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے شرائط صلح کے مطابق ابو بصیر کو کفار کے ہاتھوں واپس بھجوا دیا۔جب یہ قریش کے دو نمائندوں اور ابو بصیر نے مکہ کی طرف واپس سفر شروع کیا اور حدود مدینہ سے یہ دور نکل آئے تو ابو بصیر نے ان دو قریشیوں میں سے ایک کو جان سے مار ڈالا اور دوسرا بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا اور ابو بصیر خود مدینہ منورہ نہ آئے بلکہ سیف البحر، ساحل سمندر

کی طرف چلے گئے اور وہیں پناہ گزیں ہو گئے۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو مکہ میں بسنے والے مسلمان بھی ابو بصیر سے آملے اور یوں انہوں نے مشرکین کا تعاقب شروع کر دیا۔[19]

اب سارے واقعہ میں ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کا یہ کام اپنے اجتہاد کی بنا پر تھا وہ معاہدے کے مطابق مدینہ منورہ واپس نہ آئے۔ مدینہ منورہ کی حدود سے باہر رہ کر وہ معاہدے کی پابندیوں سے آزاد تھے اور ان پر کسی قسم کی شرائط اور حدود کا اطلاق نہ ہوتا تھا، اسی بناپر ان کے عمل پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی گرفت اور کوئی نکیر نہ کی۔ ادھر حضرت عمر فاروقؓ نے بھی مکہ کے مظلوم ستم رسیدہ لوگوں کو خط لکھا تھا وہ ابو بصیر سے آکر مل جائیں وہ خط بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے نہ لکھا تھا۔ یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے عمل پر بھی کوئی نکیر نہ کی اور نہ ہی اس خط پر معاہدے کی کسی قسم کی حدود و شرائط کا اطلاق ہوتا تھا اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیرؓ کے کافر کے قتل پر بھی کسی قسم کی کوئی نکیر نہ کی اس لیے کہ وہ حدود مدینہ کے باہر قتل ہوا تھا۔ اسی طرح ابو بصیرؓ کے ساحل سمندر پر قیام پر کسی قسم کی کوئی باز پرس نہ کی اور نہ ہی ان سے مکہ سے آکر ملنے والے لوگوں پر کسی قسم کی کوئی گرفت کی۔ اس لیے کہ اس عمل میں کسی بھی طرح سے صلح حدیبیہ کے معاہدے کی کسی بھی قسم کی کوئی خلاف ورزی نہ آتی تھی۔ یہ سارے کا سارا عمل صحابہ کرامؓ کی فقہی بصیرت اور ان کی اجتہادی فکر و نظر کا عملی مظاہرہ اور اس کا ثمر و نتیجہ تھا۔[20]

بارگاہِ رسالتمآب میں صحابہ کرام کے اجتہاد کی تصدیق

عہد رسالتمآب ﷺ میں صحابہ کرامؓ کی دو جماعتوں کا اپنا اپنا اجتہاد رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتا ہے۔ آپ دونوں جماعتوں کے اجتہاد کو صواب قرار دیتے ہیں۔

> "عن ابن عمر قال قال النبی یوم الاحزاب لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ فادرک بعضہم العصر فی الطریق فقال بعضہم لا نصلی حتی تاتیھا وقال بعضہم بل نصلی لم یرد مناذالک فذکر ذالک للنبی فلم یعنف واحد منہم"[21]

> (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ خندق (۵ ہجری میں) ہو چکا تو یوں ارشاد فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔ اب نماز کا وقت راستے میں آپہنچا۔ تو بعض نے کہا ہم تو جب تک بنی قریظہ کے پاس نہ پہنچ جائیں عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کریں پھر بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں اس واقعہ کا ذکر آیا رسول اللہ ﷺ نے کسی پر خفگی کا اظہار نہ کیا اور ہر ایک کے عمل کو درست قرار دیا۔)

اب اس حدیث مبارکہ کے مطابق جماعت صحابہ کے سامنے نماز عصر کی ادائیگی کا مسئلہ سامنے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق کے فوری بعد تمام صحابہ کرامؓ کو جلد از جلد بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز عصر کی ادائیگی کا حکم دیا تھا اور دوسری طرف ان کے سامنے یہ قرآنی حکم بھی ہے کہ نماز کو اس کے مقررہ وقت میں ادا کیا جائے۔ اب صحابہ کرامؓ نے اپنی منزل کی طرف چلنا شروع کیا۔ راستے میں نماز عصر کا وقت آگیا۔ ایک جماعت نے راستے میں نماز عصر ادا کر لی۔ دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں پہنچ کر وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھی۔ دونوں کا انداز فکر جداگانہ تھا۔

ایک جماعت کا موقف یہ تھا کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے اس بنا پر نماز کا وقت راستے میں آگیا ہے اور یہیں ہمیں نماز عصر ادا کرنی ہے۔ دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی دونوں کی نیت نیک صالح اور اچھی تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک پر بھی گرفت اور ملامت نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ کی اس اجتہادی تربیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مجتہد اپنے عمل کی اساس دلیل شرعی پر ہی قائم کرتا ہے اور وہ اپنی فقہی بصیرت کے مطابق اس دلیل کی تفسیر و تاویل کر سکتا ہے۔ نیک نیتی کے ساتھ اگر اس کی رائے عنداللہ درست نہ ہوئی تو باری تعالیٰ اپنے بے پناہ فضل و کرم کے مطابق اسے ایک اجر سے نوازے گا اور اگر اس کی رائے صواب کی حامل ہو گی تو وہ عنداللہ دو اجر کا مستحق ہو گا۔(22)

قاضی عیاض مالکی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں رقمطراز ہیں:

> "وکان ھولاء لما تعارفت الادلۃ فالامر بالصلاۃ لوقتھا یوجب تعجلیھا قبل وصول بنی قریظہ والامر لایصلی الا فی بنی قریظۃ یوجب التاخخیر وان فاتت الوقت فای الظاہرین یقدم وای العمومین یستعمل ہذا موضع الاشکال وللنظر فیہ مجال"(23)

اس صورت حال میں جب صحابہ کرامؓ کے سامنے دلائل متعارض ہو گئے نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کا قرآنی حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز کو بنی قریظہ پہنچنے سے قبل اپنے مقررہ وقت پر ادا کیا جائے اور جبکہ نبوی حکم ان لا یصلی الا فی بنی قریظہ کا تقاضا یہ ہے کہ نماز وقت نکلنے کے بعد بنی قریظہ میں پڑھی جائے تو اب کس دلیل ظاہر پر عمل کیا جائے اور کس حکم عام پر عمل کیا جائے۔ یہ مقام اشکال ہے جو نظر و فکر کا متحمل ہے۔

اجتہاد اور محدثین کی آراء

اتنی بات ذکر کر کے اب قاضی عیاض اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

> "قال القاضی مفہوم مراد النبی الاستعجال الی بنی قریظہ دون التوانی لاقصد تاخیر الصلاۃ نفسھا فمن اخذ بالمفہوم صلی حین خاف فوت الوقت ومن اخذ بظاہر اللفظ اخر ففیہ حجۃ للقائلین بالظاہر وللقائلین بالمفہوم"(24)

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد بنی قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا۔ خود نفس

نماز کو موخر کرنا اور اس میں سستی و کوتاہی کرنا نہ تھا۔ جس نے اس مفہوم کو لیا اس نے نماز کو فوت ہونے سے قبل وقت میں ادا کیا اور جس نے صرف ظاہری الفاظ پر اکتفا کیا اور مقصود حدیث کی طرف دھیان نہ کیا اس نے نماز کو موخر کیا تو اس اعتبار سے اس حدیث میں دونوں طبقات کے لیے دلیل موجود ہے۔ ظاہر الفاظ کا اعتبار کرنے والوں کے لیے بھی ہے اور مفہوم و مراد تک پہنچنے والوں کے لیے بھی ہے۔)

اور اس حوالے سے امام محی الدین یحیی بن شرف نووی نے بہت خوبصورت انداز میں اس حدیث کی شرح کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"اما اختلاف الصحابة بالمبادرة بالصلوة عند اصل وقتها و تاخيرها فسببه ان ادلة الشرع تعارضت عندہم بان الصلوة مامور بها فی الوقت مع ان المفہوم من قول النبی لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة المبادرة بالذہاب الیہم وان لایشغل عنه بشی الا ان تاخیر الصلوة مقصود فی نفسه من حیث انه تاخیر فاخذ بعض الصحابة بهذا المفہوم نظرا الی المعنی لا الی اللفظ فصلوا حین خافوا فوت الوقت واخذ اخرون بظاہر اللفظ وحقیقةً فاخروها ولم یعنف النبی واحدا من الفریقین لانہم مجتہدون ففیه دلالة لمن یقول بالمفہوم والقیاس ومراعاة المعنی ولمن یقول بالظاہر ایضاً وفیه انه لا یعنف المجتہد فیما فعله باجتہاده اذا بذل وسعه فی الاجتہاد"[25]

(نماز کا وقت تنگ ہو جانے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ میں نماز اپنے وقت پر پڑھنے اور اس کے قضا پڑھنے میں باہم اختلاف ہوا، اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ شریعت کے دلائل ان کی نظر میں متعارض ہو گئے تھے۔ اس طرح کہ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ادھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی قریظہ میں ہی عصر کی نماز پڑھی جائے۔ اس ارشاد کا ایک مفہوم یہ تھا کہ بنی قریظہ کی طرف جانے میں جلدی کی جائے اور اس جلدی پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو اور (جلدی ہی مقصود تھی) نماز کی تاخیر مقصود نہ تھی، اس لیے بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے معنی منشا کے مطابق وقت پر نماز پڑھ لی اور بعض صحابہ کرامؓ نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے اس باہمی اختلاف کا ذکر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کیا تو رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک فریق پر بھی گرفت نہ کی اور نہ ہی ملامت کی۔ اس لیے کہ ہر فریق نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ اس لیے اس حدیث کی رو سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ظاہر الفاظ پر عمل کرنا اور قیاس و رائے پر عمل کرنا، یہ دونوں درست ہیں۔)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بھی دلیل پوشیدہ ہے جو اجتہاد و قیاس کے قائل ہیں اور معنی و منشا کا خیال رکھتے ہیں اور اس فریق کے لیے بھی دلیل موجود ہے جو ظاہر الفاظ پر عمل کرتے ہیں اس کے ساتھ اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ مجتہد کو اس کے اجتہاد پر عمل کرنے میں کوئی ملامت نہیں کی جائے گی جبکہ اس حق کی تلاش میں اپنی پوری کوشش کی ہو۔

مذکورہ حدیث میں علامہ ابن قیم کا تبصرہ

اب امام ابن قیم الجوزی نے اس حدیث پر مفصل بحث کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا یہ علمی اختلاف فقہاء کے باہمی علمی اختلاف کا باعث بنا۔ فقہاء نے اس معاملے میں تفکر کیا کہ کون سا فریق صحابہ کرامؓ میں سے حق کے قریب رہا۔ فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے جن صحابہ کرامؓ نے نماز موخر کی وہ اپنے اجتہاد میں حق کے قریب رہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ایسے ہی نماز موخر کرتے اور بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کرتے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے ظاہر پر عمل ہو جاتا جبکہ فقہا کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ جن صحابہ کرامؓ نے راستے میں اپنے وقت پر نماز پڑھی ہے انہوں نے دو فضیلتوں کو حاصل کیا ہے ایک یہ کہ انھوں نے جلد از جلد بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز پڑھنے کی پوری کوشش کی مگر نماز کے فوت ہو جانے کے خدشے کے باعث راستے میں نماز ادا کی اور اس کے بعد قوم کے ساتھ جلد ملنے کی کوشش کی۔

یوں انھوں نے جہاد کی فضیلت بھی حاصل کی۔ اسی طرح انھوں نے نماز کو وقت پر پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ کی منشا کو پانے میں بھی کامیاب رہے اور نماز وسطی کا بھی خیال و لحاظ رکھا۔ اس بنا پر یہ جماعت زیادہ فقیہ نظر آتی ہے۔ بہر حال جنھوں نے نماز کو موخر کیا ان کا اجتہاد بھی درست تھا۔ ان کے لیے ایک اجر ہے اور جنھوں نے نماز کو راستے میں پڑھا ہے انھوں نے دونوں دلائل میں تطبیق اور موافقت کی فضیلت حاصل کی ہے۔ اس لیے یہ دہرے اجر کے مستحق ہیں اور ان میں سے کوئی بھی خطا پر نہیں ہے۔ ہر دو کے پاس دلیل شرعی ہے۔[(26)]

یہی وہ علمی اختلاف ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے رحمت قرار دیا ہے، اجتہاد قوم کو ایک دوسرے کے خلاف علمی اختلاف کرنے پر جہاد کرنے کی تعلیم نہیں دیتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے علمی اختلاف سے رحمت کی تلاش کی دعوت دیتا ہے۔

خلاصہ کلام

انسانی زندگی بڑی تیزی کے ساتھ ہر دور میں بدلتی رہتی ہے اس بنا پر معاشرہ کبھی یکساں حالت میں نہیں رہتا۔ انسانی زندگی کے حالات و ظروف میں زمانے کے تبدل سے تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے اور یہ تبدیلی کبھی معمولی نوعیت کی ہوتی ہے اور کبھی یہ ہمہ گیر نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس میں پہلی صورت میں زیادہ کدوکاوش نہیں کرنا پڑتی ہے۔ چند احکام و مسائل میں موقع و محل کی مناسبت سے تبدیلی کر کے زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھایا جاتا ہے جبکہ دوسری صورت میں صرف چند مسائل پر ہی بات ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے لیے نئے قانونی نظام کو تشکیل دینا پڑتا ہے اور انسانی زندگی کو نئے قالب میں ڈھالنا پڑتا ہے۔

بلاشبہ معاشرے اور افراد میں جب مثبت توانائی ہوتی ہے تو یہ کام خوش اسلوبی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور جب معاشرہ اپنی زوال پذیر اقدار کی وجہ سے کمزور ہوتا ہے تو قومی و ملی مفاد کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے پھر ذاتی اور گروہی مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے تو ایسے حالات نئے نظام اور نئے قوانین کے لیے حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ یوں عرصہ دراز تک مستقل اور مسلسل جدوجہد بھی ثمر آور نہیں ہوتی ہے۔ قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے اس نئے دور نے ایمان اور اعتقاد کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

معاشرے کی جدید تشکیل نے زندگی کے بے شمار مسائل کو جنم دے دیا ہے۔ وہ کام جو پہلے اپنا ایک گوشہ رکھتا تھا اب اس کام کی وسیع دنیا معرض وجود میں آچکی ہے۔ پہلے ایک فرد کی صلاحیت ایک شعبے کے لیے کافی تھی اب تقسیم کار کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ پہلے تجدید دین کی ضرورت جزوی شعبوں میں ہوتی تھی اب تمام شعبہ ہائے حیات تجدید دین کا تقاضا کرتے ہیں۔ اب صرف اور صرف ایک ہمہ جہتی لائحہ عمل کے ذریعے معاشرے کی تمام دینی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ جس کی طرف امام مالک نے یوں اشارہ کیا ہے:

''لا يقوم بدين الله الامن احاط جميع جوانبه''

(آخر زمانہ میں دین کی اقامت و احیا تبھی ہو گا جب دین کی جمیع جوانب کا احاطہ کیا جائے گا۔)

اس بنا پر آج مسلم قوم کو اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے اجتہادی قوت اور علمی طاقت کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا۔ تبھی اس کے تاریک سائے ختم ہوں گے اور اس کے افق پر چھائے ہوئے اندھیرے چھٹیں گے اور اس کی ظلمت بھری رات کوچ کرے گی۔ یہ دنیا عالم کون و فساد ہے یہاں پر بگاڑ کے ساتھ اصلاح کی شدید ضرورت ہے اور ہر تخریب کے ساتھ تعمیر درکار ہے۔ حتیٰ کہ اسی وجہ سے خود فطرت بھی ہر گوشہ میں کانٹ چھانٹ کرتی رہتی ہے اور خوب سے خوب تر کو زمانے میں ٹھہرا دیتی ہے اور جب کوئی مضبوط شے کامل فٹ ہو جاتی ہے تو پھر کمتر شے کے لیے کوئی جگہ نہیں رہتی ہے اور پھر اس کمترین شے کو اعلیٰ ترین شے ہو کر اپنے کھوئے ہوئے مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔

یہی قانون اقوام ہے اور یہی نظام معاشرت ہے اور یہی ضابطہ حیات ہے اور یہی قرآنی فلسفہ عروج و زوال ہے۔ انسانی حیات جب تیزی سے بدلتی ہوئی نئی دنیا میں قدم رکھتی ہے تو اس کے احساسات اور خیالات کو اس کو خوب سمجھنا پڑتا ہے اور وقت کے تقاضوں اور مطالبوں کے مطابق اس کو لازمی ڈھلنا ہوتا ہے۔ حصول مصالح اور دفع مضرت کا ضروری اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ تبھی شاہراہ حیات پر آرام دہ اور پر سکون سفر طے ہوتا ہے۔ اگرچہ بہت زیادہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی اور اندھی دوڑتی ہوئی زندگی کے معاشی سکیمیں اور فلاحی تجویزیں ایک انبار کے ساتھ انسانوں کے سامنے بطور چیلنج کھڑی ہوتی ہیں۔

صنعت و حرفت کے وسیع میدان اور پیمانے ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں اور تجارت و کاروبار کے لامحدود جال اور نیٹ ورک ہر کسی کو اپنا دامن گیر کر چکے ہوتے ہیں اور انسانی زندگی اپنی ضروریات اور اپنی حاجات کا ایک سمندر اپنے سامنے موجزن

دیکھ رہی ہوتی ہے اور اس ماحول میں انسانی زندگی ہر لمحہ موجود میں ساز و سامان حیات کی آراستگی کا اور تکمیل کا تقاضا کر رہی ہوتی ہے۔ یہ سارے وہ عوامل ہیں جو انسانی زندگی کو متحرک فعال اور زمانے کے مطابق بنانے کا تقاضا کرتے ہیں۔

اسلام میں جو قوت انسانی زندگی کی فی زمانہ اس کی ہمہ گیر ضروریات کی تکمیل کرتی ہے وہ قوت اور وہ طاقت صرف اور صرف اجتہاد ہے۔ اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل میں شریعت سازی ہوتی ہے۔ احوال و مصالح کی تجدید ہوتی ہے، معاشرے میں اسلامی تعلیمات کی موثریت بڑھتی ہے۔ شریعت کی عمارت مضبوط و مستحکم ہوتی ہے، ہدایت الٰہیہ کی شمع ہمیشہ زمانے کے احوال کے مطابق روشن رہتی ہے۔ شرائع و مناہج کی راہیں چمکتی اور دمکتی رہتی ہیں، اسلام نے اپنی اجتہادی قوت کے ذریعے ایرانی، رومی، کلدانی، حبشی، قبطی، ترکستانی، سندھی قوموں کو اپنے اندر جذب کیا ہے۔

ہر قوم اپنا مخصوص معاشرہ رکھتی تھی اور اپنا الگ تمدن رکھتی تھی کہیں ایرانی تہذیب و قانونی حکمرانی تھی، کہیں رومی تمدن و قانون کا اثر تھا کہیں عجمیوں کے اختلاط کے باعث عجیب کشمکش حیات تھی، سب کی ضرورتیں نئی نئی اور جدا جدا تھیں، بہت سے نئے مسائل اسلامی تہذیب کے لیے حل طلب تھے مگر یہ سارے کے سارے مسائل اجتہاد کی قوت کے ذریعے اور مجتہدین کی مسلسل کاوشوں کے ذریعے حل ہوتے چلے گئے، یوں اسلام کو ہر دور میں قیام اور دوام حاصل ہوتا چلا گیا۔ اجتہاد زندگی کو وقت و زمانے کے ساتھ چلانے کا نام ہے

حوالہ جات

1. الحشر، 2:15
2. الحشر، 2:15
3. تفتازانی، عبید اللہ بن مسعود، امام ، توضیح بر حاشیہ تلویح، القاھرہ: مکتبہ الدعوۃ الاسلامیۃ، ص: 54
4. الحلبی، ابن امیر الحاج، التقریر والتحبیر، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1993ء، ص: 141
5. النووی، یحی بن شرف، الامام، کتاب التحقیق، 226
6. روح اللہ نقشبندی، عہد رسالتمآب کے فقہا، کراچی: دار الاشاعت، 1995ء، ص52:
7. السجستانی، سلیمان بن اشعث، ابو داؤد، سنن ابی داؤد، ج: 2، ص: 149
8. احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل، 5: 230
9. العنکبوت، 29: 43
10. لقمان، 31: 15
11. بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1852
12. نسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمن، سنن النسائی، ج: 2، ص: 4
13. احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل، ج: 5، ص: 154
14. بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، صحیح بخاری، ج: 3، ص: 121
15. القشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، ج: 2، ص: 1137
16. النساء، 4: 59
17. ڈاکٹر خالد محمود، آثار التشریع، لاہور: محمود پبلی کیشنز، ج: 2: ص: 106
18. احمد بن حنبل، امام، مسند احمد بن حنبل، ج: 3، ص: 205
19. بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، صحیح بخاری، کتاب الشروط، رقم الحدیث: 2734
20. روح اللہ نقشبندی، عہد رسالت کے فقہا کرام، کراچی: دار الاشاعت، س۔ن، ص: 72
21. القشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، ج4، ص36
22. روح اللہ نقشبندی، عہد رسالتمآب کے فقہاء کرام، ، ص: 76
23. قاضی عیاض، اکمال المعلم بفوائد مسلم، القاھرہ: المکتبہ امام الکلیۃ، 1998، ج: 6، ص: 110
24. قاضی عیاض، اکمال المعلم بفوائد المسلم، ج: 6، ص: 110
25. القشیری، مسلم بن حجاج، امام، مسلم، ج: 2، ص: 96
26. ابن قیم، محمد بن ابی بکر بن ایوب، ابو عبد اللہ، زاد المعاد، بیروت: المنار الاسلامیہ، س۔ن، ج: 3، ص: 13

Al-Hashr 2:15